اساطیر اور اردو داستان

پروفیسر محمد ریاض احمد

تلخیص: اساطیری اور دیومالائی عناصر اردو داستانوں کی تشکیل میں معاون ثابت ہوئی ہیں۔ اساطیر میں عمومی طور دیوتاؤں کے کارناموں یا ایسے افراد کی مہمات کو داستان کی صورت عطا کر دی جاتی ہے جو دیوتاؤں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اردو داستانوں میں میں بھی متنوع اساطیری اور دیومالائی عناصر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اساطیر محض کہانیوں تک محدود نہیں ہوتی ہیں بلکہ اس کی جڑیں تہذیب وثقافت، سماج، مذہب اور سیاست میں بھی پیوست ہوتی ہیں۔

کلیدی الفاظ: اردو داستان، اساطیر، دیومالائی کہانیاں، متھ، لوک کہانیاں، مافوق الفطری عناصر

اساطیر فنونِ لطیفہ کی سب سے قدیم، پراسرار اور متحرک روایت ہے۔ انسان کے اجتماعی لاشعور میں سیال پگھلی ہوئی سرسراتی ہوئی روایت جو، رقص، مجسمہ سازی، مصوری اور لٹریچر کی اس صورت میں اس نے عمدہ ترین تخلیقات عطا کی ہیں۔ لی جینڈ، لوک کہانی اور متھ تینوں اساطیر میں شامل ہیں۔ ادب میں اساطیر کی روشنی کہیں تیز رہی ہے اور کہیں ہلکی۔ ادیبوں کا رشتہ متھ سے براہ راست بھی رہا ہے اور یہ بھی ہوا ہے کہ کلاسیکی اور پرانی متھ سے ہلکی روشنی حاصل کر کے تخلیقی فن کاروں نے اپنی متھ بنا لی ہے۔ یونانی، رومن، چینی، ہندوستانی، مصری اور لاطینی امریکی اساطیر کی روایت سے فائدہ تو اٹھاتے ہیں ساتھ ہی اپنے تجربوں اور خاص طور سے مذہبی تجربوں کی روشنی میں اپنی متھ بھی خلق کر لی ہے۔

اساطیر ایسے فرضی قصہ اور کہانی کو کہا جاتا ہے جس میں محیر العقول اورفوق فطری واقعات کوتخیل کی مدد سے گڑھا جاتا ہے۔اس میں دیوی دیوتاؤں کے جادوئی اور پراسرار کارنامے کو بالخصوص پیش کیا جاتا ہے۔دراصل اساطیر تخلیق کو ماضی سے ہم آہنگ کر دیتی ہے نیز اس عہد کے سماجی ،ثقافتی، مذہبی، جنسی اور اخلاقی اقدار سے بھی جوڑ دیتی ہے جوان کے اجتمائی لاشعور کا حصہ ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا اپنی تصنیف ''تخلیقی عمل'' میں لکھتے ہیں:

> ''اسطورہ یا متھ یونانی زبان کے لفظ مائی تھوس سے ماخوذ ہے جس کے لغوی مفہوم وہ بات جو زبان سے ادا کی گئی ہو یعنی کوئی قصہ یا کہانی ،ابتداً اسطورہ کا یہی تصور رائج تھا۔لیکن بعد ازاں کہانی کی تخصیص کر دی گئی یوں کہ اسطور اس کہانی کا نام پایا جو دیوتاؤں کے کارناموں سے متعلق تھی یا ان شخصیتوں کی مہمات کو بیان کرتی تھی جو زمین پر دیوتاؤں کی نمائندہ تھیں۔'' [1]

کشاف تنقیدی اصطلاحات میں ابوالاعجاز صدیقی Mythology کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

> یونانی میں Mythos کے معنی کہانی کے اور Logos کے معنی بحث اور بیان کے ہیں چنانچہ Mythology کے لغوی معنی ہیں کہانیوں کا مطالعہ۔کسی خاص قوم یا علی العموم بنی نوع انسان کی قدیم روایتی کہانیوں کا مطالعہ مایتھولوجی کہلاتا ہے۔اردو میں دیو مالا ،علم الاصنام اور صنمیات میتھولوجی کے مترادف ہیں ۔۔۔۔۔۔۔دیو مالائی کہانیاں تین زمروں میں تقسیم کی جاتی ہیں:
>
> ۱۔Myth۔متھ۔اسطور
>
> ۲۔Legend or Sagh ساگا یا لی جینڈ
>
> ۳۔ Folk tale لوک کہانیاں

متھ یا اسطور روایتوں، رسموں، مذہبی شعائر واطوار، تکوین کائنات اور مختلف النوع مظاہر فطرت کو مفروضہ دیوؤں، دیوتاؤں اور ماورائی طاقتوں کی مفروضہ سرگرمیوں کے حوالے سے موضوع بناتا ہے۔ متھ کے لغوی معنی ''لفظ'' کے ہیں۔

لی جینڈ یا ساگا سے مراد وہ مقبول کہانی ہے جس کے پیچھے قومی تخیل کو تحریک دینے والا کوئی تاریخی واقعہ موجود ہو جیسے کوئی جنگ یا یلغار وغیرہ۔ ایسی کہانیوں میں زیب داستان کے لیے بہت کچھ اضافہ کر دیا جاتا ہے مثلاً ٹرائے کی کہانی:

> ''ساگا کے برعکس فوک کہانی کی کوئی تاریخی بنیاد بھی نہیں ہوتی اور دیومالا کے برعکس اس کا کوئی سنجیدہ مقصد بھی نہیں ہوتا۔ یہ محض تفریحی مقاصد کو پورا کرتی ہے۔ بعض نقادوں نے فوک کہانی کو ناول اور افسانے کا پیش رو بھی قرار دیا ہے۔ دنیا بھر کی لوک کہانیوں میں بہت سی باتیں مشترک ملتی ہیں۔'' [۲]

قصے اور کہانیوں کی تاریخ بہت قدیم ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ داستان، ناول اور افسانہ جیسی اصناف قصے کے بطن سے وجود میں آئیں۔ پوری دنیا میں لاکھوں قصے کہانیاں صدیوں سے سنائے جا رہے ہیں۔ عام طور پر تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ ایک ہی طرح کے قصے ہر ملک میں رائج تھے، صرف مقامات و کردار بدل جاتے ہیں لیکن انسانی جذبات کا اظہار دنیا کے ہر خطے میں یکساں رہتا ہے کیونکہ دنیا بھر میں انسانی مسائل کم و بیش ایک طرح کے ہیں۔ قصے میں یکسانیت کا سبب یہ بھی ہے کہ انسان نے ایک جگہ قیام نہیں کیا بلکہ وہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں سفر کرتا رہا اور اس سفر میں نہ صرف تہذیب اس کے ساتھ گئی بلکہ اس کے اردگرد پھیلی ہوئی کہانیاں بھی ہمراہ چلیں۔

داستان اس طویل قصے کو کہتے ہیں جس میں مافوق الفطری عناصر کے ساتھ ساتھ شہزادے، شہزادیوں، جن و پری اور حسن و عشق کے واقعات اور خواب و خیال کی دنیا پیش کی جاتی ہے ساتھ ہی اس میں پیچیدگیاں اور حیرت و استعجاب کے اجزا بھی موجود ہوتے ہیں۔ داستان میں عام طور پر فرضی اور خیالی واقعات قصہ در قصہ کی تکنیک میں پیش کیا جاتا

ہے۔ بظاہر ان قصّوں کا روزمرہ کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایسی کہانیوں کا مقصد دل بہلانے اور ذہنی انبساط سے زیادہ کچھ نہیں۔ بقول کلیم الدین احمد:

> ''داستان کہانی کی طویل پیچیدہ بھاری بھرکم صورت ہے۔ داستان اپنی طوالت، پیچیدگیوں اور بوجھل پن کے باوجود بھی کہانی سے بنیادی طور پر مختلف نہیں۔ یہ بھی دل بہلانے کی صورت ہے۔ اس میں بھی حقیقت و واقعیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس میں بھی اعلیٰ ادبی وفنی اصول کی کارفرمائی نہیں، اس کا بھی مرتبہ دنیائے ادب میں بہت بلند نہیں۔ یہاں بھی جانور بولتے چالتے، چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ یہاں بھی ناقابل یقین واقعات ومناظر ملتے ہیں اور یہاں بھی فوق فطری ہستیوں کے کرشموں سے سابقہ پڑتا ہے۔ الغرض داستانوں کی فضا کہانیوں کی فضا سے مختلف نہیں ہوتی اور یہ فضا اجنبی، حیرت انگیز ہے۔ اس میں اور انسانی دنیا کی فضا میں صاف فرق نظر آتا ہے۔'' [۳]

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ داستان کی فضا نہ صرف تخیل کی بنیاد پر قائم کی جاتی ہے بلکہ اس میں فوق الفطری عناصر کو بھی شعوری طور پر شامل کیا جاتا ہے۔ قصّے کی پیچیدگی اور بے ربطی داستانی فضا میں دلکشی کا باعث بنتی ہے اور مافوق الفطری عناصر کی مدد سے غیر معمولی کام سرانجام دیے جاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ داستانیں خیالی اور تصوراتی ہوتی ہیں اور دستان بقول غالب ''دل بہلانے کے لیے اچھا فن ہے۔'' لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کی داستانیں لایعنی اور غیر افادی ہوتی ہیں اور صرف دلچسپی اور دلی تسلی کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ داستان کا مثبت پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعے اس عہد کی تہذیب ومعاشرت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس لیے بھی داستان کو تہذیب ومعاشرت کا مرقع کہا جاتا ہے۔

داستان اور اساطیر ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں کیونکہ دیومالائی اور مافوق الفطری عناصر طویل قصہ کہانی کو نہ صرف استحکام بخشتے ہیں بلکہ داستان کو ایک فن کی حیثیت

سے Establish بھی کرتے ہیں۔ داستان کا وجود دیو مالا کے بعد ہی عمل میں آیا ہے۔ ماہر لسانیات میکس میولر (Max Muller) نے لکھا ہے کہ ''کائنات میں سب سے پہلے زبان نے جنم لیا اور اس کے بعد دیو مالا نے'' اس طرح زبان کے بعد اساطیر اور اور پھر کہانی اور طویل قصے قدیم ترین انسانی اظہار ہے۔

داستانوں میں اساطیری عناصر صاف طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ اردو داستان میں ہندی اساطیر کے ساتھ ساتھ عجمی اور اسلامی یہاں تک کہ یونانی اور برطانوی دیو مالائی عناصر بھی واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر آغا سہیل:

> ''مہا بھارت اور رامائن کی داستانی اثرات، آلہا اور دلکے رزمیہ عناصر، رام چندر جی، سیتا لکشمن کی وفا کشی، ایثار و قربانی، بھرت اور کیتکی کے واقعات اور بن باس کا اہم ترین واقعہ، راون کی برائی اور بدی، ہنومان کی ارادتمندانہ امداد کی کہانیاں یہاں کی فضاؤں میں تحلیل ہو چکی تھی۔ بھلا یہاں کا داستان گو ان سے کیوں کر پہلو تہی کرتا۔ یہاں شکنتلا کا رومان، کرشن اور رادھے کے قصے، شیو اور پاربتی کے واقعات لوگوں کے دل و دماغ میں بسے ہوئے تھے اور گھر گھر اور گلی گلی انہیں کا چرچا تھا بھلا اردو کا داستان نگار ان سے اپنا دامن کیوں کر بچاتا۔'' [۴]

''طلسم ہوش رُبا'' اردو کی قدیم داستان ہے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں فکر و خیال کی جادوگری اور ایسے عجیب و غریب حادثات و واقعات رونما ہوتے ہیں جسے ہوش ربا کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ نام بھی داستانی انداز فکر کا ہی نتیجہ ہے۔'' طلسم ہوش رُبا'' ایک ضخیم داستان ہے اس میں مصنوعی اور بناوٹی باتیں بھی ہیں اور تصنع و تکلفات کا سلسلہ حلقہ در حلقہ آگے بڑھتا ہے۔ اس کے نام کے ساتھ لفظ طلسم بھی لگایا ہے جو ممکن ہے یہ صرف جادو نہ ہو اس کے پس منظر میں کوئی اساطیری روایت ہو۔ اس لئے کہ اس میں فکر و خیال کی جو کارفرمائیاں نظر آتی ہیں اس کی وجہ سے یہ داستان Mythology

سے بہت قریب ہو جاتی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''یہ میرے چچا عشاق جادوگر ہیں یہ سن کر سب ٹھہرے اس وقت ساحر ہزار ہزار کرگدن سوار شیر سوار اور اژدر سوار فیل سوار و طاؤس سوار قریب پانچ ہزار کے۔ دولت اور مہنت بے شمار ہیں۔ ظاہر ہوئے اور عشاق فیل پر غودار ہوا''۔ ۵

ہاتھی ہندوستان میں تہذیب و روایت کی ایک بڑی علامت ہے۔ اسے شان و شوکت کی سواری سے بھی تعبیر کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ راجاؤں، نوابوں اور رشیوں کی اہم سواری ہاتھی ہی مانا جاتا تھا۔ لیکن یہاں کتنے شیر سوار ہے کتنے کرگدن یعنی گینڈے پر سواری کر رہے ہیں، کتنے موروں پر سواری کر رہے ہیں۔ اس سے ہندوستان کا اساطیری منظر نامہ سامنے آجاتا ہے اس لیے کہ شیر دُرگا کی سواری، کرگدن کالی کی سواری ہے اور مور لکشمی کی سواری ہے۔ ظاہر سی بات ہے کی داستان گو تخیل کی پرواز قدیم قصوں کہانیوں اور اساطیری روایتوں کی طرف ہے جسے واضح طور پر طلسم ہوش رُبا میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

بقول کلیم الدین احمد:

''طلسم ہوش رُبا میں تنوع ہے۔ ہماری تفریح کا بے شمار سامان ہے لیکن یہ تنوع یہ ساز و سامان اہم نہیں ۔۔۔۔ طلسم ہوش ربا عجب مجموعہ اضداد ہے۔ ایک طرف تو اس میں تخیل کی آزاد جولانی ہے، طلسم ہے، طلسمی اشیاء ہیں، جادوگر ہیں اور عجیب و غریب جادو کے کرشمے ہیں۔ غرض ایک ایسی دنیا ہے جسے ہماری جانی ہوئی دنیا سے کسی قسم کا لگاؤ نہیں۔ دوسری جانب اس آئینہ میں واقعی اور حقیقی چیزوں کی جلوہ گری ہے۔ ایک مخصوص عہد کے طرز معاشرت کی تصویریں ہیں۔ مقامی رنگ ہے تخیل کی بے باکی اخلاق کے پہلو بہ پہلو اپنے گرد و پیش کی دیکھی ہوئی چیزیں ہیں۔ اس تضاد سے طلسم ہوش ربا میں کسی قسم کا نقص نہیں پیدا ہوتا اور نہ قارئین کی دلچسپی میں

کمی ہوتی ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہاں ہم ایک ایسے عالم میں جا پہنچتے ہیں جہاں ساری حدیں مٹ جاتی ہیں۔ تلخی ہو یا کرختگی وہ میٹھے اور سریلے بول میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔'' ۶

داستان نگار کا مقصد اگر چہ خیالی قصہ بیان کرنا ہوتا ہے لیکن اس میں اس عہد کا پورا معاشرہ سانس لیتا ہوا نظر آتا ہے ڈاکٹر راہی معصوم رضا کا کہنا ہے:

''طلسم ہوش ربا ایک تہذیبی دستاویز ہے۔۔۔۔۔اس میں سارے شمالی ہندوستان کی زمین سمائی ہوئی ہے۔اس میں بادشاہ کا تصور بھی خالص ہندوستانی ہے اور جادوگر بھی ہندوستانی ہیں۔ جادوگر تو جادوگر طلسم کے مسلمانوں تک کی روح ہندوستانی ہے کیونکہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کو سامنے رکھ کر بنائے گئے ہیں، جن اور اسے اتارنے والا یہ ملا ہندوستانی کلچر کا حصہ ہے۔'' ۷

''سب رس'' اردو کی نہ صرف پہلی نثری داستان ہے بلکہ یہ ایک تمثیلی داستان بھی ہے۔اس میں واقعات و کردار تمثیلی دیومالائی اثرات کے تحت لئے گئے ہیں۔سب رس کا آغاز آب حیات کی حصولیابی سے ہوتا ہے۔عام طور پر اساطیری اور دیومالائی کہانیوں میں اس طرح کے واقعات پائے جاتے ہیں جن میں امر ہو جانے کی خواہش کا اظہار ملتا ہے اور دیوی یا دیوتا امرت یا آب حیات پی کر امر ہو جاتے ہیں۔

''سب رس'' میں ادبی، مذہبی، سماجی، تہذیبی اور معاشرتی جیسے موضوعات کے ساتھ ساتھ صوفیانہ بحث بھی کی گئی ہے۔تصوف کے زیر اثر انسان اور خدا کے تعلق کو بہت دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔اس میں عشق و عاشقی بھی ہے اور زہد و تقویٰ اور دین و شریعت بھی اور ساتھ ہی شراب کی بھی فضیلت بیان کی گئی ہے۔سب رس میں وجہی نے عربی و فارسی کے الفاظ کے ساتھ ہندی الفاظ بھی کثرت سے استعمال کیے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ بعض محاورات اس زمانے میں بالکل اسی طرح استعمال ہوتے تھے جس طرح آج کل ہو رہے ہیں۔جیسے شان نہ گمان، خالہ کا گھر، کہاں گنگا تیلی کہاں راجہ بھوج، شرم حضوری

اور دیکھا دیکھی وغیرہ۔

سب رس کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''بارے اس وقت یکا یک عین مستی میں، بادہ پرستی میں، فراخ دستی میں، اس کمال ہستی میں ایک قدیم ندیم بہوت لطافت سوں، بہت فصاحت سوں بہوت بلاغت سوں بات کا سر رشتہ کاڑ کر ایک تازے آب حیات کا قصہ پڑیا۔ ولے پڑتے وقت اس قصے کی مستی چڑی سو آپے ٹک گر پڑیا۔ دل کھولیا، بات سنا تھا سو بولیا کہ جکو ئی یو تازا آب حیات پیوے گا، دسرا خضر ھوے گا، اس جگ میں سدا جیوے گا۔'' ۸

''سب رس''میں آب حیات کی تلاش میں نکلنے والا کردار'' نظر'' ہے۔ جو مختلف مشکلات سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ مصیبتوں میں گرفتار ہوتا ہے اور پھر مافوق الفطری عناصر کی مدد سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس میں بہت سی ضمنی کہانیاں ہیں جو دیو مالائی اثرات سے پر ہیں۔

''باغ و بہار'' فورٹ ولیم کالج کی سب سے مشہور داستان ہے۔ گلکرسٹ کی فرمائش پر میر امّن نے قصہ چار درویش کو سامنے رکھ کر باغ و بہار لکھی۔ میر امّن نے عطا حسین خان تحسین کی کتاب ''نوطرز مرصع'' سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ''باغ و بہار'' میں چار درویشوں کی سرگزشت کے علاوہ بادشاہ آزاد بخت کا بھی قصہ اور اس میں خواجہ سگ پرست کی کہانی ہے۔ ''باغ و بہار'' کے حوالے سے اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں:

''ایسا سنو نامہ جو نت نئی دنیاؤں اور اقلیتوں کا تماشا دکھاوے جو روزمرہ کے تجربے پر مستزاد ہے۔ اسی لئے شہر، جنگلات، باغات، قیمتی لباس، کھانوں کی قسمیں اور رسم و رواج اپنے پوری جزئیات کے ساتھ سامنے آتے رہتے ہیں جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا باغ، ٹیلہ، شہر، دریا، چشمہ یہ سب ایک اساطیری منشا بھی رکھتے ہیں اور ادب

اسی وقت اساطیری بنتا ہے جب وہ فطرت کو ماورائے فطرت Super natural کے رنگ سے شرابور کر دے۔۔۔۔۔ عوامی کہانیاں جن پر اسطور کی بنیاد رکھی گئی ہے یا جن کے لیے وہ ایک خارجی ڈھانچا یا پرت فراہم کرتی ہیں ایک طرح کے جادو اور سحر سے براہ راست ملحق ہوتی ہیں۔'' ۹

پہلا درویش یمن کے ملک التجار خواجہ احمد کا بیٹا ہے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد عیش وعشرت کی زندگی گزارتا ہے۔ بہن کے گھر جاتا ہے۔ پھر تجارت کے لیے جاتا ہے جہاں وہ عشق میں ناکام ہوکر خودکشی کا ارادہ کرتا ہے کہ ایک نقاب پوش ملک روم جانے کے لیے کہتا۔ دوسرا درویش فارس کا شہزادہ ہے وہ بھی آخر میں خودکشی کرتا ہے اسی طرح چاروں درویش عشق میں ناکام ہوکر خودکشی کا ارادہ کرتے ہیں اور وہی سبز پوش آکر ملک روم جانے کو کہتا۔ بادشاہ آزاد بخت کی کہانی میں خواجہ سگ پرست کی کہانی بھی شامل ہے۔ اس داستان میں جنوں کے بادشاہ ملک صادق اور ملک شہبا کا بھی ذکر ہے۔ اس کے علاوہ بھی مافوق الفطری عناصر ملتے ہیں۔ خواجہ سگ پرست کی کہانی کو اسلوب احمد انصاری دیو مالائی اور اساطیری حوالہ قرار دیتے ہیں:

''انسان اور کتا دراصل ڈرامائی تصویر کشی ہیں۔ بعض پراسرار قوتوں کی جن کا آپس میں ردعمل اور جن کی کشمکش کو ایک اسطور کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ ایک طرف انسانوں کے جذبات سفلی ہیں جو برابر تخریب کی طرف میلان رکھتے ہیں اور دوسری طرف مہر وفا کی حیوانی جبلت ہے جو ترفع اور اثبات کی طرف لے جاتی ہے۔'' ۱۰

خواجہ سگ پرست کے علاوہ بھی باغ و بہار میں جگہ جگہ دیو مالائی عناصر نظر آتے ہیں مثلاً چاروں درویشوں کو سبز پوش رہبر ملتا ہے جو اس مشکل گھڑی میں کام آتا ہے۔ جنوں کی مدد سے سب درویشوں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں یہ بھی دیو مالائی عناصر سے پر ہیں۔ تیسرا

بادشاہ عجم کا بادشاہ زادہ ہے۔شکار کے لیے جنگل میں جاتا ہے ایک طرف دیکھتا ہے۔شہزادہ اس کا پیچھا کرتا ہوا دور نکل جاتا ہے۔اس طرح بہت سے واقعات وحوادثات باغ و بہار میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

''باغ و بہار'' کی نسبت فسانہ عجائب میں مافوق الفطری عناصر زیادہ ہیں۔اس داستان میں طوطے کی زبانی کہانی بیان کی گئی ہے۔جانوروں کی کہانی کو Fable کہا جاتا ہے۔''فسانہ عجائب'' میں ہیرو ہیروئن کے پیچھے گھوڑا ڈال دیتا ہے بعد میں پتہ چلا یہ جادو گرنیاں تھیں۔اس داستان میں تبدیلی قالب والا واقعہ بھی رونما ہوتا ہے۔اس کے پیچھے بھی دیومالائی محرکات موجود ہیں۔فسانہ عجائب کا ہیرو طوطے ہی کی زبانی شہزادی انجمن آرا کا نام سنتا ہے۔تو تا شہزادہ سے کہتا ہے:

> ''میں نے ہر چند چاہا، آپ رنج سفر، مصائب شہر بشہر، ایذائے غربت سے باز رہیں کہ سفر اور سفر کی صورت ایک ہے۔اسے بچنا نیک ہے، مگر معلوم ہوا کہ حضور کے مقدر میں یہ اور لکھا ہے۔میرا قصور اس میں کہاں ہے۔'' [11]

ہندوستان کی کہانیوں میں طوطا ایک اہم کردار کی حیثیت سے نظر آتا ہے۔'' پدماوت'' اور ''بہارِ دانش'' میں بھی تو تا رہنمائی کرتا ہے۔

''فسانہ عجائب'' میں دوسری داستانوں کی طرح بادشاہ، شہزادے، شہزادیاں، وزیر زادے، جادوگر، مافوق الفطری عناصر سب کچھ موجود ہیں۔فسانہ عجائب میں بہت سے دیومالائی واقعے بھی پیش کیے گئے ہیں جیسے نقش سلیمانی، طوطے کا بات چیت کرنا، قالب کی تبدیلی، انجمن آرا کا کٹے ہوئے سر سے خون کی بوند کا ٹپکنا اور دریا میں گرنے پر اس کا لعل بن جانا، جان عالم اور انجمن آرا کا طوطا بن کر اُڑنا وغیرہ۔

مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے داستانوں میں جن، دیو، پریاں اور طلسماتی فضا وغیرہ دیومالائی فضا کی تشکیل وتعمیر میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔داستانوی کردار ناممکن کو ممکن مافوق الفطری عناصر کی مدد سے بنا دیتے ہیں۔قدیم زمانے میں داستان یا دیومالا کو ناگزیر

سمجھا جاتا تھا۔ یہ دراصل اسی دور کے علم نفسیات کی ایک شکل ہوتی تھی دیوتاؤں اور بہادروں کی کہانیاں یہ بتاتی تھیں کہ دیوتا یا بہادر لوگ کس طرح پاتال (underworld) میں اتر کر بُری آتما اور راکھشسوں سے مقابلہ کرتے ہیں۔

عالمی ادب میں اساطیر کو پیش کرنے کا رجحان نیا نہیں ہے بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اہم تحریروں میں اساطیری کردار، مذہبی ہیروز اور دیومالائی کردار اپنی معنویت کے ساتھ موجود ہیں۔ انگلستان میں نشاۃ ثانیہ کے دوران ادیبوں اور شاعروں نے یونانی دیومالائی قصوں کے کرداروں سے استفادہ کیا۔ اردو میں یہ رجحان داستان کے بعد بھی جاری و ساری ہے۔ ناول اور افسانے میں بھی داستانوی طرز اظہار اور اساطیری کردار نظر آتے ہیں۔ اردو افسانے میں یہ رجحان انتظار حسین، جوگندر پال، انور سجاد، راجندر سنگھ بیدی، اقبال مجید اور چند اور دوسرے فنکاروں کے حوالے سے قائم ہوا ہے۔ اس حوالے سے سب سے اہم نام انتظار حسین کا ہے انہوں نے داستانوی اسلوب کے ذریعے اردو فکشن کو نئے فنی و معنوی امکانات سے روشناس کرایا اور اردو ناول اور افسانے کا رشتہ بیک وقت تمثیل، حکایت، مذہبی روایات، قدیم اساطیر، ہندی و دیومالائی عناصر، لوک کتھاؤں، جاتک، مہابھارت اور کربلا سے جوڑ دیا ہے۔ مجموعی طور پر داستان کے اثرات ہی بعد کے افسانوی ادب پر مرتب ہوئے۔ تمثیلی و اساطیری عناصر ہمیں کسی نہ کسی شکل میں آج کی تخلیقات میں بھی نظر آتی ہیں۔

○○○

حواشی:

۱۔ ڈاکٹر وزیر آغا۔ تخلیقی عمل، ص۔۵۔ ناشر مکتبہ اردو زبان سرگودھا، پاکستان ۱۹۷۰ء۔

۲۔ مقتدرہ قومی زبان، صفحہ۔۸۱۔ اسلام آباد۔ ۱۹۸۵ء۔

۳۔ کلیم الدین احمد۔ فن داستان گوئی۔ ص ۱۵۔

۴۔ ڈاکٹر آغا سہیل۔ دبستان لکھنؤ کے دبستانی ادب کا ارتقاص۔ ۲۴/۲۵۔

۵۔ طلسم ہوش رُبا ص۔ ۸۸۹۔

۶۔کلیم الدین احمد۔فن داستان گوئی،ص۸۴۔
۷۔ڈاکٹر راہی معصوم رضا۔طلسم ہوش ربا ایک مطالعہ ص۱۷۰۔
۸۔سب رس،ص۳۴،مقدمہ شمیم نقوی ایم۔اے لکھنؤ یونی ورسٹی جنوری ۱۹۶۲ء۔
۹۔اسلوب احمد انصاری۔باغ و بہار ایک مطالعہ ص،۱۵،اتر پردیش اردو اکادمی ۱۹۹۱ء۔
۱۰۔ایضاً ص۱۰۷۔
۱۱۔فسانۂ عجائب مرتب اطہر پرویز الہ آباد ۱۹۴۹ء،ص۶۳۔

❑❑❑